رضوان اللہ

قوّامیت کے وجوہ

نکاح اصل میں خاندان کا ادارہ وجود میں لانے کا اعلان ہے اور اس ادارے کا ایک 'قوام'، یعنی سربراہ ہونا بھی بے حد ضروری ہے اور قرآن کے مطابق وہ مرد ہی ہے۔ 'بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ' کے دو فقروں میں اب یہ بتایا گیا ہے کہ وہ مرد ہی کیوں ہے۔ یہ فقرے مرد کی قوامیت کے وجوہ بیان کرنے کے لیے آئے ہیں، اس بات کی دلیل ان دونوں کے شروع میں حرف 'ب' کا آنا ہے۔ یہ اصطلاح میں سبب کی 'ب' کہلاتی اور کسی بات کی وجہ بیان کرنے کے لیے آیا کرتی ہے۔ یعنی آیت کے اس حصے کا مطلب یہ ہوگا کہ مرد میں قوامیت کی استعداد دوسرے فریق سے زیادہ پائی جاتی ہے اور مالی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی چونکہ اسی کے اوپر لادا گیا ہے۔ چنانچہ ان دو وجوہات کی بنا پر اسے قوام بنایا گیا ہے۔ ان دونوں وجوہات کو ہم ذیل میں ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہیں:

وجۂ اول

زیر بحث آیت کا یہ فقرہ — اس لیے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے — مرد کو قوام بنائے جانے کی پہلی وجہ کو بیان کرتا ہے۔ قرآن کے اسالیبِ برہان سے واقف ہر شخص اس کو پڑھتے ہی یہ جان لیتا ہے کہ اس میں مرد یا عورت کی کلی فضیلت کا نہیں، بلکہ جزئی فضیلت کا بیان ہوا ہے، اس لیے کہ اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ ہم نے مرد یا عورت کو فضیلت دی ہے، بلکہ 'بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ' کے الفاظ میں ان دونوں کی ایک دوسرے پر فضیلت

کا ذکر کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ طے ہے کہ اس فقرے کی بنیاد پر کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ فریقین میں سے کسی ایک کو، بالخصوص مرد کو، مطلق طور پر برتر اور فائق تصور کرے اور پھر اسی بنیاد پر عورتوں کا استحصال بھی کیا کرے۔

کچھ لوگوں کی طرف سے یہاں ایک سوال اٹھایا گیا ہے، وہ یہ کہ 'بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ' میں کلی کے بجاے جزئی فضیلت ہی سہی، مگر اس بات کی کیا دلیل ہے کہ اس میں صرف اور صرف مرد کی فضیلت کا بیان ہوا ہے؟ اس لیے کہ یہ ایک عمومی اسلوب ہے اور اس میں بظاہر ایسا کوئی لفظ بھی موجود نہیں جو مرد و زن میں سے کسی ایک پر صریح طور پر دلالت کرتا ہو۔

اس سوال کے جواب میں پہلی بات تو یہ سامنے رہے کہ یہ فقرہ، جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، مرد کی قوامیت کی دلیل میں آیا ہے، اس لیے اس عمومی اور بظاہر مبہم فقرے کا یہ سیاق ہی اس کے عموم میں تخصیص اور اس کے اِبہام میں وضوح پیدا کر دیتا ہے۔ دوسری یہ کہ اس پر 'بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ' کا ایک اور فقرہ عطف ہوا ہے جو اپنے معنی اور اپنے ضمائر کی وجہ سے بالکل واضح ہے کہ اس میں مردوں ہی کے انفاق کا بیان ہے۔ سو اُس سیاق کے ساتھ ساتھ یہ سباق بھی اس بات کی دلیل ہو جاتا ہے کہ معطوف علیہ فقرے میں بھی صرف مردوں ہی کی فضیلت کا بیان ہوا ہے۔

تاہم یہاں ایک اور سوال پیدا کیا جا سکتا ہے، وہ یہ کہ مرد کی قوامیت کی دلیل میں سیدھی طرح یہ کہہ دینے کے بجاے کہ مرد کو اللہ نے عورت پر فضیلت دی ہے، عموم کا اسلوب اور ابہام کا یہ انداز آخر کیوں اختیار کیا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب یوں ہے کہ اس مقام پر فضیلت کے بیان کی تین ممکنہ صورتیں ہو سکتی تھیں:

ا۔ مرد عورتوں کے سربراہ ہیں، اس لیے کہ اللہ نے عورت کو مرد پر فضیلت دی ہے۔

ب۔ مرد عورتوں کے سربراہ ہیں، اس لیے کہ اللہ نے مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے۔

ج۔ مرد عورتوں کے سربراہ ہیں، اس لیے کہ اللہ نے دونوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔

ظاہر ہے، ان میں سے پہلی صورت کا استعمال کیا جانا تو کسی طرح بھی روا نہیں ہے، اس لیے کہ جب مرد کو سربراہ کہہ دیا گیا تو اس کی دلیل میں عورت کی برتری کو بیان کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ رہی دوسری صورت، تو وہ قیاس اور عقل کے عین مطابق ہے، اس لیے کہ جب مرد کی سربراہی کا اعلان ہو تو اس کی دلیل میں مرد ہی کی فضیلت کو بیان کرنا، انتہائی معقول اور قابل فہم نظر آتا ہے۔ سو قرآن میں پائی جانے والی حکمت بھی اگر آسمان پر بننے کے بجاے زمین پر اور پھر منطق کے اصولوں پر بنی ہوتی، تو اس میں بھی ضرور اسی دوسری صورت کو اختیار کیا جاتا، لیکن اس نے قیاس پر مبنی اور منطق بھرے اس اسلوب کو بھی چھوڑا اور 'بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ' کی تیسری صورت کو اختیار کیا۔ اِس

نے اُسے کیوں چھوڑا اور اِسے کیوں اختیار کیا؟ ہمارے نزدیک اس احتراز و انتخاب کی وجہ بڑی سادہ سی ہے۔ 'قوّام علیٰ' کا مطلب چونکہ منتظم اور سربراہ ہو جانا ہے، اس لیے 'اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ' کا جملہ شوہر کو حاصل ایک طرح کی بالادستی کا اظہار ہے۔ اس سے کسی کا اس گمان میں مبتلا ہو جانا عین ممکن تھا کہ شوہر کی یہ قوامیت، اصل میں اس کی مطلق برتری کی دلیل ہے۔ اس کے بعد اگر یہ بھی کہہ دیا جاتا کہ ہم نے اس کو عورت پر فضیلت دے رکھی ہے تو یہ جملہ اس مزعومہ برتری پر مہر تصدیق ثبت کر دیتا، حالاں کہ اس طرح کی کوئی برتری مرد کو بالکل بھی حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ یہاں کوئی ایسا فقرہ لانا ہی موزوں ہو سکتا تھا جو اس غلط فہمی کا ازالہ کرتا[1] اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی بتا دیتا کہ خاندان کے مخصوص دائرے میں مرد کو عورت پر جو بالادستی دی گئی ہے، اس کا جواز اسی لیے تو ہے کہ یہ دونوں اصول میں بہرحال ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ یہ ساری بات 'بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ' کے عمومی اسلوب کو چھوڑ کر کسی اور طرح سے کہہ دینا ممکن ہی نہیں ہے۔

یہ واضح ہو جانے کے بعد کہ 'بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ' کا جملہ کلی نہیں، بلکہ جزئی فضیلت کا بیان ہے۔ نیز مرد اور عورت دونوں کی نہیں، بلکہ صرف اور صرف مرد کی فضیلت کا بیان ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرد کو قوام بنا دینے والی اس فضیلت کی نوعیت کیا ہے؟ اس کی نوعیت معلوم کرنے کے لیے دو باتوں کی طرف توجہ رہنی چاہیے: ایک یہ کہ اس فقرے میں فعل کی نسبت اللہ کی طرف ہے جو ہمیں بتاتی ہے کہ یہ ایسی فضیلت ہے جو خالص وہبی ہے اور مرد کو مرد ہونے کی بنیاد پر ہی دی گئی ہے۔[2] دوسرے یہ کہ یہاں اسی فضیلت کی بنیاد پر گھر کی سربراہی دی گئی ہے، اس لیے لازم ہے کہ یہ ایسی صلاحیت ہو جو ایک خاندان کو چلانے کے لیے بنیادی اہلیت کی حیثیت رکھتی ہو۔[3] یہ دونوں باتیں ملحوظ رہیں تو اب آسانی سے متعین ہو جاتا ہے کہ 'بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ' میں

۱؎ ممکنہ غلط فہمیوں کو رفع کرنے کا یہ انداز، قرآن مجید کا عام طریقہ ہے۔ سورۂ بقرہ (۲) کی آیت ۲۲۸ میں ہے: 'وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ' کہ مردوں کے لیے عورتوں پر ایک درجہ ترجیح کا ہے۔ یہ ترجمہ 'دَرَجَةٌ' کی تنوین کو تنکیر کی تنوین سمجھ کر کیا گیا ہے۔ ہو سکتا تھا کوئی دوسرا اِسی کو تفخیم کی تنوین مان کر اس کا ترجمہ 'بہت بڑا درجہ' کرتا اور اس طرح مرد صاحب کو جا عرش پر بٹھاتا۔ لیکن قرآن نے اس متوقع احتمال کو 'وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ' کہہ کر یک سر مسترد کر دیا ہے۔ اس لحاظ سے اس آیت اور زیر بحث آیت میں صرف ایک فرق ہے، یعنی سورۂ بقرہ میں ممکنہ شبہے کا رد پہلے اور سورۂ نساء میں یہی عمل بعد میں کیا گیا ہے۔

۲؎ چنانچہ یہاں اس نکتہ آفرینی کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا جس کے مطابق عورت اگر کسی معاشرے میں اتنی فعال ہو جائے کہ مردوں کے سے اوصاف اپنے اندر پیدا کر لے تو وہاں مرد کے بجائے اسے ہی قوام ہونا چاہیے۔

۳؎ بالکل اسی طرح، جیسے ریاست کے سربراہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ریاستی امور انجام دینے کی بنیادی صلاحیت رکھتا ہو۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دراصل، اس فضیلت کا بیان ہوا ہے جسے پروردگارِ عالم نے پیدائشی طور پر مردوں کو ودیعت کیا ہے اور ظاہر ہے، وہ وہی ہے جسے ہم مدافعت اور کسبِ معاش کی صلاحیت کا نام دیتے ہیں۔

اس مقام پر دو مخالف نکتہ ہاے نظر کے ہاں دو متضاد قسم کے سوال پیدا ہوتے ہیں: ایک یہ کہ اس فضیلت کو مدافعت اور کسبِ معاش کی صلاحیت ہی میں محدود کیوں کر دیا جائے، یہ ذہنی و نفسیاتی صلاحیت کو بھی محیط کیوں نہیں ہے؟ دوسرا یہ کہ یہ دونوں صلاحیتیں اگر مرد میں پائی جاتی ہیں تو عورت بھی ان سے محروم نہیں، وہ بھی محافظت اور معاشی سرگرمیاں انجام دے لینے پر قادر ہے۔ چنانچہ ان اوصاف کی بنیاد پر جو دونوں میں مشترک ہیں، صرف مرد ہی کو قوام کیوں بنایا جائے؟

پہلی بات کے جواب میں یاد رہے کہ یہاں بحث یہ نہیں ہو رہی کہ مرد و زن میں کیا کیا صلاحیتیں پائی جاتی ہیں یا کن کن باتوں میں یہ ایک دوسرے پر ترجیح رکھتے ہیں، بلکہ بحث اس میں ہے کہ وہ کون سی صلاحیت ہے جو خاندان کے سربراہ کے اندر ہونی چاہیے۔ لہٰذا، عقلی اور مزاجی یا پھر نفسیاتی خصائل کا ذکر چھیڑ دینے کا یہاں کوئی محل نہیں ہے۔ یہاں تو انھی اوصاف کا ذکر ہو گا جو روزِ اول سے آج تک گھر بار کو چلانے کے لیے ضروری رہے ہیں۔ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ صرف دو ہی ہیں: ایک مدافعت کی قوت اور دوسری کسبِ معاش کی استعداد۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جہاں تک دوسری بات ہے کہ مرد و زن ان صلاحیتوں میں برابر ہیں تو یہ ایک بہت بڑا فکری مغالطہ ہے۔ یہ صلاحیتیں اصل میں مرد ہی کا خاصہ ہیں اور عورت کا ان میں سے اگر کچھ حصہ ہے بھی تو وہ اس کے مقابلے میں کم تر اور انتہائی ناقص ہے۔ یہ صلاحیتیں اُس وقت بھی اصلاً مرد ہی میں پائی جاتی تھیں، جب عورت گھر بار کو دیکھا کرتی اور یہ روزی روٹی کے لیے جنگلوں کی خاک چھانتا پھرتا تھا یا کسی موذی جانور کے خوف سے جب یہ اس کی اوٹ میں چھپ جاتی تو وہ اس خطرے سے اس کی حفاظت کیا کرتا تھا[۴]۔ آج بھی جبکہ ویرانے رہے نہ اس سے متعلق خطرات، معاش کی کم یابی اور اس کی سختیاں بھی نہ رہیں، یہ دونوں صلاحیتیں اپنی کامل صورت میں اسی میں پائی جاتی ہیں۔ اس کے برعکس، عورت کی حیثیت جس طرح معاشی سرگرمیوں میں ایک مستقل عامل کی نہیں، بلکہ مرد کے ایک معاون ہی کی رہی ہے، اسی طرح مدافعت کی استعداد بھی اس میں بس اسی حد تک ہے کہ اپنی حفاظت کا کچھ نہ کچھ انتظام کر لے، وگرنہ جہاں تک کسی مرد یا پھر پورے خاندان کو تحفظ دینے کی بات ہے تو اس سے یہ بالکل ہی قاصر ہے۔ رہی جدید دنیا

۴؎ مشہور عرب شاعر، عمرو بن کلثوم کے زمانے میں بھی یہ حقیقت اسی طرح موجود تھی۔ اس کے ایک شعر میں عورتیں اپنے مردوں کو یہ کہہ کر جنگ پر ابھارتی ہیں: 'و یقلن لستم بعولتنا ان لم تمنعو نا' ''جو حفاظت ہماری نہ کر سکو تم، شوہر ہمارے پھر نہیں ہو تم۔''

کہ جس میں اپنی حفاظت کے لیے اب یہ کسی کی محتاج نہیں رہی اور معاش کا سارا انتظام خود سے کر سکنے پر قادر ہوگئی ہے تو اس کی وجہ بھی اس کے ذاتی خصائل نہیں، بلکہ مرد کے بجاے ریاست کی فراہم کردہ حفاظت اور اسی کے پیدا کردہ معاشی مواقع ہیں[5]۔ غرض یہ کہ مذکورہ صلاحیتوں میں عورت مرد کے برابر ہرگز نہیں ہے کہ اس برابری کی بنیاد پر اس کی قوامیت کا بھی کسی حد تک امکان پیدا کیا جا سکے۔

اس بحث کے آخر میں ہم یہ بھی عرض کریں کہ مرد کی ان صلاحیتوں پر کوئی چیں بجبیں ہو یا اس بنیاد پر وہ خدا پر ظلم اور عدم مساوات کا الزام دھرے، جذباتی ماحول میں اس سے کچھ فائدہ ہو تو ہو، علمی دنیا میں اس سے کچھ حاصل نہیں ہے۔ علم کی دنیا کو جذبات سے کام نہیں، اس کو تو حقائق سے واسطہ ہے۔ اور یہاں بھی چند حقائق ہی ہیں جو ان معترضین کی نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں:

پہلا یہ کہ خدا نے اگر مرد کو کچھ صلاحیتیں دی ہیں تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اس نے عورت کو یک سر محروم رکھا ہے، بلکہ کسی وصف میں اس نے مرد کو فضیلت دی ہے تو کئی اوصاف ایسے بھی ہیں جن میں عورت کو واضح طور پر برتری کی جگہ دی ہے۔ مثال کے طور پر، مرد کو اگر زورِ بازو دیا، محافظت کی صلاحیت اور کسب کی طاقت دی ہے تو عورت کو مودّت دی، پیار اور محبت دی، ممتا اور شفقت دی، انسان کو وجود میں لانے اور پھر اس کو واقعی انسان بنا دینے تک کا حوصلہ اور طاقت دی ہے۔ اول الذکر صلاحیتیں، اگر مرد کو ملتی اور اسے قوّام بنا دیتی ہیں تو ثانی الذکر جب عورت کو مل جاتی تو اسے ماں بنا دیتی اور اس طرح مرد پر اسے حاکم، حتیٰ کہ اس کی جنت کا سامان بنا دیتی ہیں۔ سو اس حقیقت پر ہماری نگاہ رہے کہ پروردگار عالم کسی ایک کا نہیں، عورت و مرد دونوں کا خالق ہے، اس لیے کسی پر اس نے زیادتی کی نہ کوئی ظلم کیا، بلکہ ہر ایک کو اپنی جناب سے دیا اور بے حد و حساب دیا ہے۔

دوسرے یہ کہ مرد و زن میں سے کس کو کیا دیا ہے، یہ کوئی الل ٹپ فیصلہ نہیں ہوا۔ اس تقسیم کی بنیاد اصل میں ان دونوں میں پائی جانے والی حیاتیاتی تفریق ہوئی[6]۔ یہ دونوں اپنی جنس میں انسان ہیں، مگر اپنی نوع میں بہر حال مختلف

---

[5] ریاست اور بالخصوص فلاحی ریاست، یہ جس طرح ماضی میں ہر جگہ موجود نہیں رہی، اسی طرح حال میں بھی بہت سی جگہوں پر اس کا وجود ناپید ہے۔ لہٰذا اس پر خاندان کے اُس ادارے کی حفاظت اور کفالت کس طرح چھوڑی جا سکتی ہے جو انسانی فطرت کا ازلی و ابدی تقاضا ہے اور جسے ہر حال میں اور ہر مقام پر قائم ہو کر رہنا ہے۔ سو ضروری ہے کہ خاندان کی ان ناگزیر ضرورتوں کا مستقل انتظام ہو اور اس کا مسئول اس شخص کو بنایا جائے جو اس کی فطری صلاحیت رکھتا ہو اور زمان و مکان اور حالات و احوال سے وہ قطعی طور پر بے نیاز بھی ہو۔

[6] یہاں ضمناً یہ بات بھی سامنے رہے کہ حیاتیاتی تفریق پر مبنی خصائل جس طرح مستقل نوعیت رکھتے ہیں، اسی طرح ان پر مبنی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ہیں۔ اب مختلف انواع کو ایک جیسی صلاحیتیں دے دینا، اس کائنات کے مزاج کے لحاظ سے ایک کارِ بے حکمت ہوتا، چنانچہ خداے حکیم نے ان دونوں کو باہم ممتاز خصائل عطا کیے۔ مرد کو فاعلی قوتیں دیں تو عورت کو انفعالی قوتوں سے نوازا کہ ان دونوں کے امتزاج ہی سے وہ حسن اور اعتدال پیدا ہوتا ہے جو اس کائنات کے ذرے ذرے سے نمایاں ہے اور اس کی مقصدیت کے پہلو سے حد درجہ مطلوب بھی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ہماری کوششیں مرد و زن کے امتیازی خصائل اور ان کی حکمتوں کو سمجھنے کے لیے ہونی چاہییں نہ کہ ان سے بے پروا ہو جانے، بلکہ ان پر معترض ہو جانے کے لیے۔

تیسرے یہ کہ خدا کی طرف سے دی گئی ہر فضیلت، دراصل ہماری آزمایش کے لیے ہے۔ مان بھی لیں کہ مرد کو کچھ زیادہ ملا ہے اور عورت کو اس کی نسبت سے کچھ کم، مگر حقیقت یہی ہے کہ اسی میں دونوں کا امتحان ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی فطری خصوصیات کی آرزو کریں اور نہ انھیں ہدف بنا کر آپس میں کوئی محاذ آرائی کریں، بلکہ مرد کو جو کچھ ملا، وہ اس کے مطابق اور عورت کو جو کچھ ملا، وہ اس کے مطابق، اپنا میدانِ عمل بنائیں اور اسی میں اپنے سب جوہر دکھائیں اور اس طرح اپنے امتحان میں کامیابی کے مواقع پیدا کریں۔ اس معتدل رویے کو اپنانے میں شاید کبھی غلطی نہ ہوتی اگر زیرِ بحث آیت سے پہلے اس کی تمہیدی آیت کو بھی ٹھیک طرح سے دیکھ لیا جاتا۔ اس میں واضح طور پر ارشاد ہوا ہے: ''اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دی ہے، اس کی تمنا نہ کرو، (اس لیے کہ) مردوں نے جو کچھ کمایا ہے، اس کا حصہ انھیں مل جائے گا اور عورتوں نے جو کچھ کمایا ہے، اس کا حصہ انھیں بھی لازماً مل جائے گا۔ (ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی تمنا ہو تو اس میدان میں آگے بڑھو) اور (اس کے لیے) اللہ سے اس کے فضل کا حصہ مانگو۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے[7]۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وجۂ دوم

زیرِ بحث آیت کا یہ فقرہ ــــ 'وَبِمَآ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ' (اور اس لیے کہ انھوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں) ــــ مرد کی قوامیت کی دوسری وجہ کو بیان کرتا ہے۔ اس میں انفاق سے مراد کسی اور پر نہیں، بلکہ مردوں کا اپنی بیویوں پر خرچ کرنا ہے، اس لیے کہ مردوں کی انھی پر قوامیت کی دلیل میں اس کا ذکر آیا ہے۔ مزید یہ کہ اس خرچ سے مراد ایک آدھ مرتبہ خرچ کرنا بھی نہیں، اس لیے کہ 'اَنۡفَقُوۡا' کا جو فعل ماضی ہے، وہ یہاں بیانِ واقعہ کے بجاے بیانِ عادت

کردار بھی کبھی نہیں بدلتے۔ چنانچہ مرد کو اگر انھی کی بنیاد پر قوام بنایا گیا ہے تو اسے قوام ہی رہنا ہے، قطع نظر اس سے کہ زمانہ کتنے اوراق الٹ چکا اور حالات کتنی ہی کروٹیں لے چکے۔

[7] النساء ۴: ۳۲۔

کے لیے آیا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ شوہروں کو بیویوں پر قوام بنانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ مستقل طور پر ان پر خرچ کرتے، یعنی ان کے مالی کفیل ہوتے ہیں۔

بعض حضرات نے قوامیت کی بحث کی طرح یہاں بھی یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ اس آیت میں عرب معاشرے اور اس کے رواج کی رعایت ہے۔ وہاں چونکہ مرد ہی کماتے اور وہی خرچ کرتے تھے، اس لیے انھی کے انفاق کا ذکر ہوا اور اس پر مبنی انھی کی قوامیت کا حکم قرآن نے دیا۔ لیکن آج کے زمانے میں جبکہ عورت بھی مرد ہی کی طرح کماتی اور اپنے گھر میں خرچ کرتی ہے تو کیا یہ ضروری ہے کہ پھر بھی مرد ہی کو اس پر قوام بنایا جائے؟ بلکہ اگر کہیں صرف عورت ہی کماتی ہو تو پھر آگے بڑھ کر اسے ہی قوام کیوں نہ بنا دیا جائے؟ اس نکتہ آفرینی اور اس پر مبنی ان سوالات کے جواب میں اگرچہ وہی دلائل کافی ہیں جو قوامیت کی بحث کے ذیل میں گزرے، تاہم چند باتیں مزید بھی اس ضمن میں کہی جا سکتی ہیں:

پہلی یہ کہ اگر یہی بات کہنا قرآن مجید کے پیش نظر ہوتا تو اس کے لیے زیادہ موزوں الفاظ 'و بما ینفقون من اموالھم' کے ہوتے۔ یعنی مضارع کا فعل لایا جاتا جو حال کا واضح طور پر فائدہ دیتا اور ہمیں بتاتا کہ اس وقت مردوں کو عورتوں پر قوام اس لیے بنا دیا گیا ہے کہ وہ ان پر اپنے مال خرچ کر رہے ہیں۔ لیکن یہاں مضارع کے بجائے 'اَنۡفَقُوۡا' کا فعلِ ماضی استعمال ہوا۔ یہ فعل جس طرح ان حضرات کے استدلال کو احتمال کے درجے میں لے گیا، اسی طرح ایک دوسری بات کا احتمال بھی اس نے پیدا کر دیا کہ مردوں کا یہ انفاق نہ عارضی ہے نہ عرب معاشرے کے ساتھ خاص کسی قسم کی روایت ہے، بلکہ ایک دائمی اور ابدی نوعیت کا رواج ہے۔ اور یہ احتمال اُس وقت محض احتمال نہیں، ایک متعین اور حتمی بات ہو گیا جب 'وَبِمَآ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ' کا یہ فقرہ 'بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ' پر عطف ہوا۔ اس عطف نے واضح کر دیا کہ جس طرح مردوں کو مخصوص دائرے میں ایک فطری اور مستقل نوعیت کی فضیلت حاصل ہے، اسی طرح ان کا عورتوں پر خرچ کرنا بھی انسانی تاریخ کا ایک مستقل اور مسلسل عمل ہے، اس لیے کہ یہ انفاق، دراصل ان کی اسی صلاحیت کا ظہور ہے جس میں انھیں دوسروں پر فضیلت حاصل ہے۔ غرض یہ کہ فعل ماضی کا استعمال اور 'بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ' پر اس کا عطف، یہ دونوں چیزیں آخری درجے میں واضح کر دیتی ہیں کہ 'وَبِمَآ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ' کے الفاظ میں کسی وقتی عمل یا کسی علاقائی رواج کی نہیں، بلکہ مردوں کے ایک مستقل وصف اور ان کی مسلسل تاریخ کی خبر دی گئی ہے۔ دوسرے لفظوں میں پوری بات یوں ہے کہ مردوں کو قوام اس لیے بنایا گیا ہے کہ وہ بیویوں کے مالی کفیل ہیں، اور یہ ذمہ داری ہمیشہ سے مردوں ہی نے اٹھائی ہے کہ اس کو اٹھانے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کی فطری صلاحیت دراصل موجود بھی انھی میں ہے۔[8]

عورت اگر آج کماتی اور گھر میں خرچ کرتی ہے تو وہ یہ سب کچھ کس حیثیت سے کرتی ہے، یہ وہ دوسری بات ہے جو اس ضمن میں واضح رہنی چاہیے۔ کیا یہ نکاح کے بعد اس پر عائد ہونے والی ایک ذمہ داری ہے کہ جسے ہر حال میں نبھانا اس پر لازم ہے، حتیٰ کہ اس کے شوہر اور خاندان کا حق ہے کہ وہ اس بنیاد پر عدالت تک میں جا سکیں یا پھر یہ محض تعاون کی ایک صورت ہے جو ایک فرد خاندان کے دوسرے فرد کے ساتھ رضا کارانہ کیا کرتا ہے؟ ظاہر ہے، یہ تعاون ہی ہے اور اسی طرح کا تعاون ہے جو کوئی بھی شہری اپنے حکمران سے اور کوئی بھی ملازم اپنے کاروباری سربراہ سے بھی کر سکتا ہے اور جس کی وجہ سے حکمران کا حق حکومت ختم ہو جاتا ہے اور نہ سربراہ کا حق سربراہی چھین لیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا بیوی کے مالی تعاون کو اس بات کی دلیل سمجھ لینا کہ شوہر اب اس کا قوام نہیں رہا، یہ کسی بھی صورت میں صحیح طرز نہیں ہے۔

تیسری بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ اگر شوہر کسی بھی وجہ سے نان ونفقہ نہیں دے پاتا اور اس کی جگہ عورت اس ذمہ داری کو ادا کرتی ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اب عورت مرد پر قوام ہو جائے گی۔ جس طرح، مثال کے طور پر، اگر حکمران روٹی کپڑا اور مکان جیسی بنیادی سہولتیں فراہم کرنے سے قاصر رہ جائیں اور ہم خود ان کا بندوبست کریں تو یہ بات ان حاکموں کے نااہل ہونے کی تو واضح دلیل ہوگی، مگر ان کی حکومت کے خاتمے اور اس کے مقابل میں دوسری حکومت کو کھڑا کر دینے کا جواز ہرگز نہ ہوگی، بلکہ اس وقت دو ہی راستے شہریوں کے پاس ہوں گے: وہ اس صورت حال کو جوں کا توں قبول کیے رکھیں یا پھر اس حکومت کو تبدیل کرنے اور اس کی جگہ دوسری حکومت کے قیام کا جو آئینی راستہ ہو، اسے اختیار کر لیں۔ بالکل اسی طرح، اگر مرد اپنی قوامیت کی دونوں بنیادیں کھو بیٹھتا ہے، یعنی اس میں مدافعت اور کسب کی طاقت رہ جاتی ہے اور نہ وہ عملی طور پر بیوی کو نان ونفقہ ہی دیتا ہے تو ایسی صورت حال میں بیوی کے پاس بھی دو ہی راستے رہ جائیں گے: وہ اپنے شوہر کی محبت میں، اور اگر یہ نہ ہو تو اپنی اولاد ہی کی محبت میں، اس معاملے کو اسی طرح چلنے دے۔ یا پھر شوہر کی قوامیت سے نکل جانے اور کسی دوسرے کی قوامیت میں آ جانے کا وہ راستہ اختیار کرے جو اسلامی قانون نے اس کے لیے وضع کر رکھا ہے، یعنی وہ شوہر سے طلاق کا تقاضا کرے، اگر وہ

8۔ لہٰذا، مدین کے کنویں پر بھیڑ بکریوں کو لے جانے کی مثال سے یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہوتی کہ میاں بیوی کی ذمہ داریاں ان کا ماحول اور معاشرہ متعین کرتا ہے۔ اول تو یہ مثال میاں اور بیوی کی نہیں، عورت اور مرد کی ہے۔ دوم، 'وَاَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ' کے الفاظ میں اُس ضرورت کا بیان ہو گیا ہے جس کی بنا پر ایسا کر لینا کسی کے نزدیک بھی قابل اعتراض نہیں ہے۔

طلاق نہ دے تو عدالت کے ذریعے سے خلع لے کر کسی اور سے شادی کر لے۔ مگر اس کے پاس یہ تیسرا راستہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ اپنے اس انفاق کی بنا پر اپنی قوامیت کا ڈھنڈورا بھی ضرور پیٹ ہی ڈالے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ جس طرح کسی بھی شہری کا یہ حق ہے کہ وہ حکومت سے اختلاف کے بعد خود اپنی حکومت سازی کے لیے کوشش کر سکتا اور اسے حاصل بھی کر سکتا ہے، اسی طرح عورت کا یہ حق کیوں نہیں ہے کہ وہ اپنی قوامیت کے لیے کوئی کوشش کرے اور پھر اسے حاصل بھی کر سکے؟ اس کے جواب میں یاد رہے کہ حکومت کرنے کا حق اور اس کی اہلیت ہم اصول میں ہر شہری کے لیے برابر تسلیم کرتے ہیں، مگر جہاں تک خاندان کی قوامیت کا معاملہ ہے تو اس میں میاں اور بیوی ہرگز برابر نہیں ہیں۔ وہ اس لیے کہ مرد کو قوّام صرف اس کے انفاق کی بنا پر نہیں بنایا گیا کہ جو کوئی خرچ کرے، وہ خود قوام ہو جائے، بلکہ اس کی پہلی وجہ تو مرد کی وہ اہلیت ہے جس کا ذکر 'بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ' میں ہوا اور جو عورت کے بجاے صرف اسی میں پائی جاتی ہے۔ مزید یہ کہ وہ کسبی بھی نہیں کہ عورت محنت کرے اور اسے حاصل کر لے۔ چنانچہ عورت اس معاملے میں مرد کے برابر کسی طرح بھی نہیں ہے کہ اس بنیاد پر اس کی قوامیت کا اِمکان کسی بھی درجے میں مان لیا جا سکے۔[9]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

[9] البتہ، یہ عین ممکن ہے کہ کوئی مرد اپنی فطری اہلیت سے بالکل محروم رہ جائے اور اس کی عورت میں یہ سب کچھ بدرجۂ اَتم پایا جاتا ہو۔ لیکن اول تو یہ صورت محض استثنائی ہوگی اور قانون ہمیشہ عموم پر بنا کرتے ہیں۔ دوم اس صورت میں بھی قوامیت عملاً چاہے عورت کے ہاتھ میں آجائے، مگر قانونی طور پر یہ مرد ہی کے پاس رہے گی۔